

تو سویرا میرا

ڈاکٹر زوہا آصف

توسویر امیر ازوہا آصف

باب سوم

نوٹ:

اس ناول کے تمام جملہ حقوق رائٹر زوہا آصف کے نام محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد یا ادارے یا دوسری ویب سائیٹ کو رائٹر کی اجازت کے بغیر اس کی اشاعت کا اختیار نہیں۔

ایسا کرنے والے کے خلاف قانونی کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔

شکریہ

زوہا آصف

ZOHA ASIF

انتساب

ان تمام لوگوں کے نام جو اپنی اندھیروں بھری زندگیوں میں سویرے کی تلاش میں ہیں، روشنی آپ کی منتظر ہے!

ZOHA ASIF

باب سوم؛ حوصلہ

ہفتے کی رات تھی اور خنکی بھرا ماحول۔ کل چھٹی تھی، اس لئے وہ آج ساری رات جاگنے کا منصوبہ بنائے بیٹھے تھے۔

انہوں نے نیچے والے ٹی وی لاؤنج کو استعمال کرنے کا سوچا تھا۔ کمرے کی بتیاں ساری بجھا دی گئی تھیں۔ کمرے کے عین وسط پر بڑے سائز کی ایل ای ڈی لگائی تھی۔ اس کے نیچے لکڑی کے دو دراز بنائے گئے تھے جن میں کچھ گیمز وغیرہ رکھی ہوئیں تھیں۔ جو وہ موڈ کے مطابق کبھی کبھی ایل ای ڈی پر ہی کھیلا کرتے تھے۔ ان درازوں کے ساتھ ہی دو لکڑی کے اسٹول بنے ہوئے تھے جن پر دو بڑے سائز کے اسپیکرز فٹ کروائے گئے تھے۔ ان سپیکرز کو ایل ای ڈی سے کنیکٹ کیا گیا تھا۔ جب بھی آفت گینگ کو کوئی مووی دیکھنی ہوتی تو وہ سپیکرز کے ساتھ ہی دیکھا کرتے تھے، وائب بھی تو لینی ہوتی ہے نہ!

اس دیوار کے مخالف سامنے کی دیوار کے ساتھ آرام دہ جدید طرز کے صوفے رکھے ہوئے تھے۔ ایل ای ڈی کی دائیں دیوار کے درمیان میں فل لینتھ کی بڑی سی کھڑکی تھی جو بخاری ولا کے لان کا منظر واضح کرتی تھیں۔ اور بائیں جانب کی دیوار میں صوفہ سیٹ کے باقی دو صوفہ تھے۔ اس کے آخر میں باہر جانے کے لئے دروازہ کھولتا تھا۔

بڑے نفیس صوفے کے آگے شیشے کی نازک مگر پر کشش میز تھی جو ابھی مووی نائٹ کی وجہ سے سائیڈ پر کھسکا دی گئی تھی اور فرش پر بستر کیے گئے تھے تاکہ سب ایک ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھ کر انجوائے کر سکیں۔

آج "آنا بیل" دیکھی جانی تھی۔

سب لحافوں اور کمبلوں میں دبکے بیٹھے تھے۔سائیڈ پر کھسکائے ٹیبل پر اسنیکس رکھے جا چکے تھے۔ساتھ بوتلیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔کھانے کا سامان کا وہاں بندوبست ہو چکا تھا۔

"موٹو وہ لیز کا پیکٹ تو پکڑو"عماد نے کُرکُرے منہ میں ڈالتے ہوئے اسے آواز دی تھی جو ایک ہاتھ سے لالی پاپ اور دوسرے سے ویوی کھاتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"افو عماد بھائی مجھے ڈسٹرب مت کریں"وہ بدمزاہ ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"بھائی کا کہنا نہیں مانو گی تو تمہیں پاپ لگے گا موٹو"عماد کی بات سن کر اس نے ناگوار تاثرات سے عماد کی جانب دیکھا تھا۔

"جب بھائی پاپی ہو تو بہن کو پاپ نہیں لگتا"صفا کی بات پر سب کے قہقہے بلند ہوئے تھے جبکہ عماد نے ناراض نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ذرا اپنے خالی دماغ پر زور ڈال کر یاد کرنا یہ سب لایا کون ہے؟"صفا فوراً ہی سیدھی ہوئی تھی اس حقیقت کھلنے پر وہ عماد سے مزید کوئی پنگا نہیں کر سکتی تھی ورنہ اسے اسنیکس کیسے ملتے؟؟

"ذرا جو تھوڑی دیر کے لئے چپ بیٹھ جاؤ تم دونوں"فروا ان دونوں کی مووی کے دوران کرنی والی گفتگو سے بہت تنگ تھی جس کا وہ برملا اظہار بھی کر رہی تھی۔

ZOHA ASIF

"اللہ نے ہمارے منہ میں زبانیں بولنے کے لئے دی ہیں چپ رہنے کے لئے نہیں"عماد کی بات پر وہ مزید چڑ گئی تھی۔

"ہاں لیکن خاموشی بھی عبادت ہے کبھی ثواب بھی کما لیا کرو تم دونوں"وہ ناگواری سے انہیں دیکھتی کہہ رہی تھی

"آپ ہماری عبادتوں کو نظر مت لگائیں ہم ویسے ہی بہت عبادت گزار ہیں الحمد اللہ"صفا کی بات پر جہاں اس کا منہ حیرت کی زیادتی کے باعث کھلا وہاں باقی سب مسکرا دیے تھے۔

"انسان نیکی کی بات بھی نہ کرے کسی سے۔اور دیکھو تو مووی شروع ہونے سے پہلے ہی سنیکس سب ختم ہو چکے ہیں" وہ اس کے پاس پڑے لیز وغیرہ کے ریپرز طنز کرتے ہوئے بولی تھی جسے دیکھ کر صفا خجل انداز میں ہنسنے لگی۔جب کہ عماد اور عدیل نے غم سے نڈھال ہو کر اسے دیکھا تھا۔فروا اب ان دونوں کو نئے غم میں مبتلا کر کے مووی دیکھنے لگی تھی اور رہی بات مروہ کی تو۔اس کا سر سے ان کی گفتگو میں کوئی دھیان ہی نہیں تھا۔

"موٹو کچھ تو ہمارے لئے چھوڑ دیتی" عدیل کی بات پر وہ بس معصوم بن کر مسکرانے لگی جیسے اسے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ کس کی بات ہو رہی تھی کس بارے میں ہو رہی تھی۔

"آپ کے لئے یہ چھوڑا ہے نا" اس نے ٹیڈی والی جیلیز کی طرف اشارہ کیا تھا جو میٹھا نہ پسند ہونے کی وجہ سے وہ چھوڑ چکی تھی۔

عماد نے ناشکری سے پرہیز کرتے ہوئے وہ جیلیز کا پیکٹ ہی اٹھالیا تھا جب کہ عدیل اب صفا سے ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے چپ کر کے بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ اور فوزیہ مل کر طاہر کو دوبارہ ویل چیئر پر بٹھا کر اندر کمرے میں لے آئے تھے۔کسی نے کسی سے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔بس ایک خاموشی تھی جو بہت گہری تھی اور اسی کی زبان میں وہ تینوں ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ فوزیہ کو بھی آرام کرنے کا کہہ کر وہ خود باہر آنگن میں آئی تھی۔

آنکھ کے کنارے سے ایک آنسو چھپکے سے نکلا اور اسکے سرخ گلاب گال کو بھگو گیا تھا۔اس نے فوراً اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔وہ طاہر اور فوزیہ کو بھنک بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی کہ وہ روئی ہے یا پریشان ہے۔اس نے آنگن میں رکھے دونوں شاپر اٹھائے۔چہرے پر پھر سے ایک مصنوعی مسکراہٹ سجائی۔ایک نقلی مسکراہٹ جس کے سایہ میں وہ اپنے اصلی آنسو چھپانا چاہتی تھی۔

وہ اب دونوں شاپر اٹھائے باورچی خانے آگئی تھی۔شاپر شیلف پر رکھ کر ان میں سے کھانا نکالنے لگی۔ آج طاہر اور فوزیہ کی شادی کی سالگرہ تھی جس کا مزا وہ ہر صورت خراب نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ویسے تو وہ لوگ سالگرہ نہیں مناتے تھے مگر ہبہ ان دونوں کے لئے اپنی چاہت سے چھوٹے موٹے تحفے خرید لائی تھی۔اور ساتھ ہی ساتھ آتے ہوئے کھانا باہر کا لے آئی تھی تاکہ کچھ وقت وہ تینوں اچھے سے ساتھ مل کر گزاریں۔لیکن قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔لیکن پھر بھی وہ اپنی طرف سے تو پوری کوشش کر سکتی تھی نا!

اس لئے وہ کر رہی تھی۔

جتنا بھی اس کے بس میں تھا۔
جتنا بھی وہ کر سکتی تھی۔

اس نے باربی کیو باہر نکالا۔کھانا گرم کر کے ڈشز میں نکالا اور پھر ٹرے سجا کر اندر لے گئی۔
فوزیہ اب طاہر کو بیڈ پر بیٹھنے میں مدد دے چکی تھیں اور وہ دونوں سیدھے ہو کر بیٹھ چکے تھے۔
فوزیہ کو کچن میں آنے سے ہبہ نے ہی منع کیا تھا جن کے لاکھ بار کہنے پر بھی ہبہ نے انہیں کمرے سے باہر نکلنے پر منع کیا تھا۔

"باہر کا کھانا کیوں لے کر آئی ہو ہبہ "فوزیہ نے اسے ڈپٹا۔وہ ان کی باتیں نظر انداز کر کے مسکرائی۔

"اما، آج ڈیٹ کیا ہے ذرا بتائیں؟"
فوزیہ اس کی بات پر متحیر ہو کر سوچنے لگیں۔زندگی کی رنجشوں میں وہ ایسا پھنسی ہوئی تھیں کہ تاریخیں یا واقعات یاد رکھنا ہی بھول چکی تھیں۔

"بیگم، آج ہماری سالگرہ کو 25 سال مکمل ہوئے ہیں "طاہر کی بات سن کر وہ پہلے حیرت میں مبتلا رہیں پھر جب یقین آیا تو مسکرانے لگیں۔

"تمہیں یاد تھا؟" ان کے پوچھنے پر ہبہ نے مصنوعی منہ پھلایا۔

"بھلا آپ کی بیٹی کیسے بھول سکتی ہے اتنا خاص دن؟" ہبہ کی بات پر وہ دونوں مسکرانے لگے۔

"پر ہبہ اتنے پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی" فوزیہ ابھی بھی مطمعین نہیں ہوئی تھیں

"پیسہ انسان اپنے لئے کماتا ہے نا اماں پھر اپنے اوپر لگانے سے وہ ضائع کیسے ہوا؟" ہبہ کی بات سن کر وہ لاجواب ہو چکی تھیں۔

"میں آپ دونوں کے لئے کچھ لائی ہوں، پہلے وہ دیکھ لیں پھر کھانا کھاتے ہیں" ہبہ کی بات پر وہ مسکرانے لگے۔

"لاؤ دکھاؤ تو کیا لائی ہے ہماری بیٹی ہمارے لئے" طاہر کے مسکرا کر کہنے پر وہ خوشی سے دمکتا چہرہ لئے گفٹ ہیمپر لے آئی تھی۔

ایک اس نے فوزیہ کے حوالے کیا تھا اور دوسرا طاہر کے حوالے۔ اس کے ہاتھ میں موجود 2 خوبصورت شاپنگ بیگز دیکھ کر ان دونوں کی بھانچیں کھل گئیں۔

"یہ کیا ہے؟" فوزیہ کے سوال پر وہ بس مسکراتے ہوئے ان کو بیگز کھولنے کا اشارہ کرنے لگی۔

فوزیہ نے اس کے کہنے پر لمبا سانس خارج کرتے ہوئے بیگ کھولا۔ بیگ میں فوزیہ کے لئے ایک نفیس سا تھری پیس سوٹ تھا اور ساتھ ہی چھوٹی سی ڈبی جسے گفٹ ریپر میں اچھے سے لپیٹا گیا تھا۔

انہوں نے تحمل سے اپنی بیٹی کو دیکھا تھا جو کچھ کہنے کی بجائے بس مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اب یہ کیا ہے؟" فوزیہ کے سوال پر اس نے اپنی بھوری آنکھوں سے گفٹ کو کھولنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر ایک نظر اسے دیکھ کر گفٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ گفٹ کھولنے میں کامیاب ہوئے تو اس سیاہ مخملی ڈبی کے اندر انہیں ایک خوبصورت سا نازک آرٹیفیشل گولڈ کا چھوٹا سا سیٹ دکھائی دیا۔ ان کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے، وہ کچھ بول نہ سکیں پتہ نہیں وہ اس چھوٹے سے سیٹ کی نازکی تھی، دلکشی تھی یا ایک جذبہ تھا جو ابھی دل پر ابھر کر آیا تھا۔

بیٹی کی محنت سے کمائی گئی حلال روزی میں سے پہلا تحفہ۔۔۔ان کے لئے یہ بہت قیمتی تھا۔ آنکھیں بے اختیار بھر آئی تھیں۔

انہوں نے اشک بڑھ کر نگاہیں اٹھا کر اپنی بیٹی کو دیکھا جو آج اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ خود اپنے پیسوں سے ماں باپ کے لئے تحفہ لائی تھی۔ پر ان کی نظر میں تو وہ ابھی بھی چھوٹی سی بچی تھی۔ ان کی لاڈلی بیٹی جو چاہے جتنی بھی بڑی اور ذمہ دار ہو جائے مگر اپنی ماں کے لئے چھوٹی اور لاڈلی ہی رہے گی۔

انہوں نے مسکرا کر طاہر کو دیکھا۔ بغیر کچھ بولے ان سے اپنے خیالات بانٹنا چاہے۔۔وہ بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

فوزیہ کی نظر ان کے ہاتھ میں پکڑے ایک لیدر باکس پر پڑی۔۔ان کے اسے دیکھنے پر طاہر نے وہ کھول کر ان کے سامنے رکھا۔۔اس کے اندر سیاہ ہی رنگ کی ایک خوبصورت رسٹ واچ سجی تھی۔ اسے دیکھ کر انہوں نے ایک بار پھر طاہر کی آنکھوں میں براہ رست دیکھا تھا۔ جو بس مسکراتے ہوئے انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔بچے کب آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے اتنے بڑے ہو جاتے ہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔۔اس وقت دونوں کے جذبات ایک سے تھے۔۔انداز بیان بھی ایک سا تھا۔۔۔اشک بھی ایک سے تھے۔۔۔ہبہ نے مسکرا کر آگے بڑھ کر دونوں کو ایک ساتھ گلے سے لگایا تھا۔

صورتِ حال ایک دم ہی بدل گئی تھی۔ وہ تینوں آنکھوں میں آنسو لئے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے تھے۔۔لب مسکرا رہے تھے۔۔ آنکھیں آنسو جھلکا رہی تھیں۔

یہی ان کی فیملی تھی۔۔یہی ان کی دنیا تھی۔۔یہی ان کی کل کائنات تھی جس میں وہ بے حد خوش اور مطمعین تھے۔۔ پر کون جانے کب حالات بدلنے والے تھے۔۔کب ان کی اس چھوٹی سی جنت میں بوال آنے والا تھا اور کب ان کے لئے زندگیاں یکسر ہی بدلنے والی تھیں۔۔

☆☆☆☆☆

وہ سب انہماک سے مووی دیکھنے میں مگن تھے جب اچانک ٹی وی لاؤنج کی کھڑکی پر انہیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آواز ہوئی ہو۔ ان سب نے اس آواز کو جیسے نظر انداز کر دیا تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ وہ سب مووی میں اس قدر گم تھے کے انہیں باقی دنیا کا کوئی ہوش باقی نہیں رہا تھا۔

کمرے میں طاری گھپ اندھیرا اور رفتہ رفتہ آتی ٹی وی سکرین میں سے ہولناک قسم کی آوازیں، غضب کا عالم تھا۔

وہ سب پورے دھیان سے تکیے کس کر پکڑے ہوئے کلائی میکس سین دیکھنے میں محو تھے جب اک دم لاونج میں بنی بڑی سی دراز قد کھڑکی پر زور دار کچھ مارا گیا تھا اور وہاں چھائی وحشتناک قسم کی خاموشی کے باعث یہ آواز چاروں اطراف میں گونجی تھی۔

اک لمحے میں خاموشی ہوا ہوئی اور کمرے میں چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔۔

ان تینوں کا مارے خوف کے برا حال تھا۔ سردی کے موسم میں چہرے پر آئے ننھے ننھے پسینے کے قطرے، کانپتا تن اور دماغ میں آتے طرح طرح کے وسوسے۔

"صفا" فروہ نے ڈرتے ڈرتے اسے پکارا جو اس کی دائیں جانب اس سے چپکی بیٹھی تھی۔

"نہیں فروہ آپی میں اٹھ کر نہیں دیکھوں گی" وہ بغیر اس کی بات سنے اپنا جواب دیتے ہوئے بولی۔

"مروہ" اب اس کی پکار مروہ سے تھی لیکن وہ تو یوں بت بنی بیٹھی رہی جیسے اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ کوئی اسے پکار رہا ہے۔

"دیکھیں آپ ہم دونوں سے بڑی ہیں، آپ کو ہمت کرنا ہو گی" صفا نے شاید زندگی میں پہلی بار اتنی عقل مندی کی بات کی تھی۔ پر اس وقت اس عقل کی بات کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

"بہت غلط وقت اور حالات میں تم نے مجھے یاد دلایا ہے صفا" وہ خوف زدہ حالت میں اٹھی۔ اس کا رخ اب صوفے سے آگے کھڑکی کی جانب تھا۔

اس نے ہمت کر کے آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر کھڑکی میں دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ہمت تھوڑی سی جمع کر کے اس سے باہر لان کا منظر دیکھا، رات اور گہری تاریکی کے باعث وہ زیادہ واضح تو نہیں دیکھ پائی مگر۔۔ جتنا دکھا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ عجب بات تھی کہ لان کی نارنجی بتیاں بھی آج غیر معمولی طور پر بند تھیں۔

ابھی وہ دائیں بائیں گردن گھما کر اچھی طرح تسلی ہی کر رہی تھی کہ اک دم اس کھڑکی کے آگے اس کے چہرے کے بلکل پاس اک انسانی وجود ظاہر ہوا۔ ایک دم اس ظہور پر وہ چیختے ہوئے پیچھے ہوئی اور سنبھل نہ پانے کی وجہ سے نیچے گری تھی۔۔

اس کے گرتے ہی کمرے میں دو نسوانی اور کھڑکی کے پاس سے دو مردانہ قہقہوں کی گونج سنائی دی۔

کچھ دیر یونہی یہ سمجھتے سمجھتے گزر گئی کہ فروہ کے ساتھ ہوا کیا تھا

جب ان کا ہنسنا بند ہوا ان کا دھیان اس فرش پر اوندھے منہ لیٹی لڑکی پر گیا جو رشتے میں ان کی کزن لگتی تھی۔

"فروہ آپی اب بس کریں مزاق کر رہے تھے ہم" صفا نے ہنسی روکتے ہوئے کہا تھا۔ اب عدیل اور عماد بھی باہر سے اندر کمرے میں آ چکے تھے۔

"فروہ آپی بس کریں اوور ایکٹنگ" مروہ نے اس کے پاس نیچے بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"فروہ اب بس کرو یار" عدیل نے اسے ذرا سا ہلا کر کہا تھا مگر اس کے وجود میں ذرا سی بھی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

اب ان سب کو تشویش نے گھیرا تھا۔

"یہ اٹھ کیوں نہیں رہی ہیں؟" صفا کے پریشانی سے پوچھنے پر وہ سب اک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ عماد نے اٹھ کر بتی جلائی تھی، کمرا سیکنڈز میں روشنیوں سے نہا گیا تھا۔

"فروہ آپی؟ آپ ٹھیک ہیں" مروہ کی پریشان آواز پر بھی اس کی طرف سے کوئی خاطر خواہ رسپانس نہیں آیا تھا۔

"فروہ اٹھو یار اتنی ڈرپوک تو نہ تھی تم" عماد کی بات پر بیہوش پڑی فروہ کو غصہ تو بہت آیا تھا مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

"کہیں اسے کچھ۔۔" صفا کی آواز پر وہ سب چونک گئے۔

"ارے بڑی سخت جان ہے، اسے بھلا کیا ہو گا؟" عدیل کی بات پر سب نے سر تو ہلایا مگر ماننے کو کوئی تیار نہیں تھا۔

"فروہ اٹھو اب، بس بہت ہوا مزاق" عماد کی سخت آواز پر بھی اس کا وجود بے حس و حرکت پڑا رہا۔

"ایک بات کہوں؟" مروہ نے ان سب کے تاثرات دیکھتے ہوئے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"بولو؟" عماد کی اجازت پر اس نے تھوک نگلا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی جو بات وہ کرنے جا رہی تھی اس کے بعد ان سب سے کوئی بعید نہیں تھی کہ وہ سبھی اسے ہی کچا نہ نگل جاتے۔

"وہ میں نے اک پرینک ویڈیو میں دیکھا تھا کہ، اسی طرح کے پرینک پر ایک انسان کو ہارٹ اٹیک آ جاتا ہے اور اس کی۔۔۔" اس نے باقی جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ مطلب تو سبھی سمجھ چکے تھے۔

"مروہ شکل اچھی ہے پر بات بھی اچھی کیا کرو" عدیل کے جھڑکنے پر وہ تو سر ہلا گئی مگر۔۔

دل میں سب کے عجیب عجیب وسوسے آنے لگے تھے۔۔

"فروہ!" سب نے اسے ایک ساتھ پکارا تھا۔ وہ سبھی اس کے پاس اطراف میں پریشانی اور بے چینی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اک دم اس کے پورے وجود میں حرکت ہوئی تھی اس سے پہلے وہ لوگ کچھ سمجھ پاتے ایک دم، ایک زوردار جھٹکے سے فروہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اور اس نے "بھاؤ" کر کے ان سب کی ہوا نکال دی تھی۔

اب سکتے میں جانے کی باری ان سب کی تھی۔ اور قہقہے فروہ کے گونج رہے تھے۔

اس آفت گینگ کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا اور یہ بات اس گینگ کے سبھی ممبران جانتے تھے۔

☆☆☆☆☆

آج پیر تھا، اس نے اس چھوٹی مگر پرکشش بلڈنگ کے سامنے گاڑی روکی تھی۔ گاڑی پارکنگ لوٹ میں پارک کر کے وہ بلڈنگ کی جانب بڑھ گیا تھا، اندر داخل ہوتے ہی اسے ایک عجیب سے سکون نے گھیر لیا، جیسے کسی نے تھکن اتار کر رکھ دی ہو۔ ہوا میں بسی نرم خوشبو اور دھیمی روشنی نے دل کو فوراً اپنائیت کے احساس میں لپیٹ لیا۔

اے سی کی ٹھنڈک کے باعث ماحول خنکی بھرا اور پرسکون تھا۔

دیواروں پر ہلکے بیج رنگ کا ملائم پلستر تھا، جس پر جگہ جگہ گہرے براؤن رنگ کی لکڑی کے شیلف سجے تھے۔ فرش پر بچھا ہلکا قالین بھی اسی مٹیالے بیج رنگ کا تھا، جو قدموں کی آہٹ کو بھی خاموش کر دیتا۔

چھت سے لٹکتے مدھم پیلے بلب، براؤن دھاگے کے جھالر دار شیڈز میں لپٹے ہوئے، پوری جگہ پر ایک نیم تاریک، مانوس سی روشنی بکھیرتے تھے۔ کونے میں رکھی براؤن مخملی صوفہ کرسیاں، جن کے ساتھ بیج رنگ کے تکیے سجے تھے، جیسے کسی کو بیٹھ کر ستانے کی دعوت دے رہی ہوں۔

الماریوں میں سجے کپڑے بھی اسی تھیم میں تھے، ہلکے کریمی سے لے کر گہرے چاکلیٹی براؤن تک، ہر شیڈ ترتیب سے جھولتی ہوئی۔ ہوا میں ہلکی سی خوشبو رچی تھی، لکڑی اور عطر کی ملی جلی مہک، جو اس جگہ کو مزید خاص بنا دیتی۔

کھڑکیوں پر لگے ہلکے بیج رنگ کے پردے، باہر کی روشنی کو چھان چھان کر اندر لاتے، جس سے پورا ماحول ایک ملائم، خواب جیسی چمک میں ڈوبا محسوس ہوتا۔

وہاں موجود سٹاف اور کسٹمرز کو یکسر نظر انداز کرتا وہ اپنے مطلوبہ آفس کی جانب بڑھا تھا۔

سی ای او کا آفس بھی اسی براؤن اور بیج تھیم میں ڈوبا تھا، مگر یہاں سنجیدگی اور وقار نمایاں تھا۔ کمرے کے درمیان میں رکھی بھاری میز گہرے چاکلیٹی براؤن رنگ کی لکڑی سے بنی تھی، جس کے پیچھے چمڑے کی بڑی کرسی رکھی تھی۔ دائیں دیوار پر بیج رنگ کے پردے اور ایک بڑی کھڑکی سے چھنتی دھوپ، کمرے کو نرم مگر پروقار روشنی سے بھر دیتی تھی۔ جبکہ بائیں جانب بنی الماری میں سجی کتابیں اور پھر کونے میں ایک چھوٹا سا پودا، ایک تر و تازہ احساس دلاتے تھے۔

دروازے کی چڑ سے وہاں اس مرکزی کرسی پر موجود انسان نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"تم یہاں؟" وہ شدید حیرت سے بولی تھی۔

"کیسی ہیں چچی؟" طلال دھیمی مسکراہٹ لیے وہاں ان کے ٹیبل کے سامنے رکھی ہوئیں کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم کیوں آئے ہو یہاں؟" وہ اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ طلال بخاری کا یہاں انعم بخاری کے بوتیک میں آنا بہت غیر معمولی تھا، اس لئے وہ شدید اضطراب میں مبتلا تھیں۔

"جب گھر میں آپ موجود نہیں ہوتیں تو، آپ سے ملنے یا بات کرنے کے لئے وہیں آنا پڑے گا نا جہاں آپ پائیں جاتیں ہوں" حالانکہ وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا مگر پھر بھی جانے کیوں انعم کو اس کے لہجے سے تنز کی بو آئی تھی۔

"بولو کیا کام ہے؟" وہ اکھڑے لہجے میں بولیں، ان کے اس روکھے پن پر بے ساختہ طلال کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"مجھے آپ سے محض ایک درخواست کرنی تھی۔۔" وہ ان کی نگاہوں میں جھانکتے بولا تھا۔

"ہمم؟" انعم سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"جو آپ میرے گھر والوں ساتھ کر چکیں، اس کے بعد مزید کی گنجائش نہیں بچتی، نہ ہی میں آپ کی ایک اور کوتاہی مزید برداشت کروں گا، اس لئے پہلی اور آخری وارننگ دینے آیا ہوں" طلال نے انعم کو دیکھا، جن کے میک اپ سے بھرے چہرے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ ماضی کا ذکر شاید انہیں بے چین کر گیا تھا۔

"کک۔۔ کیا مطلب؟" وہ انجان بنیں۔

"مطلب بس اتنا ہے کہ میری ماما، اور ان کے خیر خواہوں، کیئر ٹیکر اور ملازمین سے دور رہیں، ورنہ نتائج کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔ میں اگر ابھی تک خاموش ہوں تو اسے میری کمزوری ہرگز نہ سمجھیں، میں چپ ہوں تو کسی مصلحت کے تحت چپ ہوں۔" طلال نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا جن کے چہرے کا رنگ اب زرد معلوم ہو رہا تھا۔

"چلتا ہوں اب، اللہ حافظ" انہیں بے چین، پریشان چھوڑ کر وہ جیسے خاموشی سے آیا تھا ویسے ہی واپس ہو لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ اپنی تمام تر ذمہ داریاں خلوص سے نبھاتے ہوئے ابھی بھی خالدہ کے کمرے میں دوا اور دودھ لائی تھی۔

روز رات آٹھ کے قریب وہ انہیں دوا کھلا کر اور دودھ دے کر پھر گھر جاتی تھی، آج بھی وہ معمول کی طرح ان کی دوا اور دودھ کا کپ ٹرے میں رکھے ان کے کمرے میں موجود تھی۔

"میم، آپ کی دوا" اس نے سلیقے سے ان کے آگے ہاتھ میں انہیں دوا تھمائی تھی۔ ساتھ پانی کا گلاس تھا۔

انہیں دوا کھلا کر اس نے ان کے آگے دودھ کا گلاس کیا تھا۔

"میم آپ کے لئے دودھ" اسے محسوس ہوا جیسے آج خالدہ اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ اسے اور اس کی تمام حرکتیں۔

انہیں سٹر اسے دودھ پلاتے ہوئے اسے محسوس ہوا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

ان کی ہاتھوں کی لرزش بھی واضح تھی۔

ہبہ کو لگا جیسے اسے کوئی وہم ہوا ہو۔ پر نہیں۔ لگاتار ہاتھ کی حرکت سے اسے محسوس ہوا جیسے وہ واقعی میں کپکپا رہی تھیں۔

"آپ ٹھیک ہیں میم؟" اس کے سوال پر ان کی آنکھوں میں نمی جمع ہونے لگی۔ ہبہ کو سمجھ نہیں آیا وہ کیا کرے۔

پریشانی اور گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ اس نے تو کبھی ایسی کسی سچویشن کو سنبھالا ہی نہیں کیا تھا۔

سیکنڈ میں تمام پروفیشنل ٹریننگ ہوا ہوئی تھی۔ وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ دماغ کام ہی نہیں کر رہا تھا۔

"میم آپ رکیں میں طلال سر کو بلاتی ہوں" ہبہ انہیں کہہ کر فوراً کمرے سے بھاگی تھی۔

سامنے ہی اسے عماد کچن میں جاتا دکھائی دیا۔

"عماد سر۔۔" اس نے گھبرا کر سے بلایا۔ وہ اس کے چہرے پر غیر معمولی پریشانی اور گھبراہٹ دیکھ کر متفکر ہوا۔

"کیا بات ہے میں مس نایاب؟" عماد کے سنجیدگی سے پوچھنے پر ہبہ نے سے ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس کی باقی ادھوری بات ابھی اس کے لبوں پر تھی جب وہ دوڑتا ہوا اپنی ماں کے کمرے میں آیا تھا۔

ان کے ہاتھوں کی لرزش اب بھی ویسے ہی تھی۔

"آپ انہیں دیکھیں میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں" عماد کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

ہبہ نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ جہاں ماں کے لیے فکر ہی فکر تھی۔ اس کے چہرے پر وہ ہمیشہ والی شرارت اور رونق نہیں تھی۔۔ پل میں چہرے کی ساری چمک مانند پڑی تھی۔

"ڈاکٹر دس منٹ میں پہنچتے ہیں۔ آپ ماما کے پاس ہی رہیں تھوڑی دیر۔ میں بھی یہیں ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اپنی ماں کے سرہانے ہی بیٹھ گیا تھا۔ ان پر نجانے کونسی شفاء کی آیت پڑھ پڑھ کر پھونک رہا تھا۔ کچھ دیر میں طلال سمیت ڈاکٹر بھی آ گئے تھے۔

ان کے کمرے میں سبھی گھر والے موجود تھے۔ گھر کے سبھی بچے، سبھی ملازم، نہیں تھیں تو بس انعم جو نجانے کس پارٹی میں گئی ہوئی تھیں۔

خاموش، دل میں دعا کرتے، چہرے پر پریشانی کے تاثر لئے وہ سب چپ چاپ وہاں کھڑے تھے۔

خالدہ کو دوا دے کر انجیکشن لگا کر سلا دیا گیا تھا۔ سب ان کے کمرے سے باہر آ گئے تھے۔۔

"آپ کے لیے خوشخبری اور بری خبر دونوں ہیں" ڈاکٹر کے سنجیدہ انداز پر وہ سب سانس روکے انہیں دیکھنے لگے۔

طلال نے ایک نظر سب کے بے چین چہروں کو دیکھا اور پھر۔۔ سب کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

"مس نایاب آپ رکیں" اس کی بات سن کر ہبہ کے قدم وہیں رک گئے۔

"یہ ماما کی نرس ہیں۔ خیر، آپ دونوں باتیں بتایئے ہم سن رہے ہیں" طلال کی بات پر اس نے ایک نظر طلال کو اور پھر ڈاکٹر کو دیکھا جو چہرے پر سنجیدہ تاثر لیے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"مسٹر طلال آپ کی والدہ بہتری کی طرف آ رہی ہیں، ہاتھ پاؤں کا ہلنا اور ان کی ہلکی سی جنبش بھی اسی بات کا اشارہ ہے کہ آئندہ آنے والے دنوں میں وہ مزید بہتری کی جانب آئیں گی۔ مگر۔۔"

ڈاکٹر ایک لمحے کو رکا۔ وہ دونوں ہمہ تن گوش ہوئے اسے سن رہے تھے۔

"اس صورتحال میں انہیں بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ ذرا سی لاپروائی سارا معاملہ خراب کر سکتی ہیں انہیں آپ سب کا وقت اور محنت دونوں چاہیے۔ اُمید ہے آپ میری بات سمجھ رہے ہوں گے"

ڈاکٹر کی بات کا مطلب سمجھ کر ان دونوں نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ہبہ کو خالدہ کے پاس رہنے کا کہہ کر وہ ڈاکٹر کو چھوڑنے گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

گھڑی رات کے ساڑھے دس بجا رہی تھی۔ خالدہ بخاری دوائیوں کے زیرِ اثر گہری نیند میں تھیں۔ ان کے چہرے پر چند لمحوں کی ناسازی کے بعد ہی کراہت واضح تھی۔ ہبہ ان کے سرہانے بیٹھی نجانے کونسی دعائیں پڑھ کر پھونک رہی تھی۔

"مس نایاب؟" اس کی آواز پر وہ رک کر اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"جی سر؟" اس نے فوراً مڑ کر طلال کو دیکھا۔

طلال نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"اگر ممکن ہے تو آپ آج یہاں ماما کے پاس رک جائیں" وہ اس کا باس تھا مگر انداز تحکم بھرا نہیں تھا۔ ایک التجاء تھی جو اسے اس کے لہجے میں محسوس ہوئی تھی۔ کچھ پل وہ کچھ کہہ نہیں پائی تھی۔

وہ کچھ لمحے خاموشی سے طلال کو دیکھے گئی۔ ماں باپ کا خیال ستایا، کل کے واقعے کے بعد اب وہ انہیں بلکل تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ جاب کی وجہ سے وہ پہلے ہی آٹھ بجے نکلتی تھی تو کہیں نو کے قریب گھر پہنچتی تھی۔ دوسرا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ قریباً مہینے سے یہاں نوکری کرتے ہوئے، اسے بھی خالدہ سے اچھا خاصہ لگاؤ ہو چکا تھا اور وہ خود بھی ان کے پاس رک کر خود ان کا خیال رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اب صورتحال ایسی نازک تھی کہ اسے دونوں جگہ بڑا سنبھل کر چلنا تھا۔

"میں نے کہا اگر ممکن ہے تو۔۔" طلال نے اس کی بے چینی دیکھ کر نظریں پھیرتے ہوئے کہا۔

"جی، جیسا آپ کہیں۔" ہبہ نے اس کا سنجیدہ انداز دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ماما کی طبیعت اتنی ناساز نہ ہوتی تو میں آپ سے ہرگز نہ کہتا۔ امید ہے آپ سمجھیں گی" طلال نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"جی سر۔۔میں رک جاتی ہوں میم کے پاس، کوئی مسلے والی بات نہیں ہے" اس نے اسے اثبات میں سر ہلاتے دیکھا، اور پھر وہ چلا گیا۔ ہبہ بھی باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔ طلال کو تو وہ مطمعین کر چکی تھی۔ بات صرف یہ نہیں تھی کہ طلال کے روکنے پر وہ رکی تھی، بلکہ اس کی بات سن کر اسے بھی بہترین موقع ملا تھا خالدہ کی خدمت کرنے کا۔

طب شعبہ ہی ایسا ہے جہاں تعلیم یا تجربہ سے زیادہ احساس معنی رکھتا ہے۔

وہ احساس جس کی وجہ سے ایک انسان کو دوسرے انسان کی تکلیف اپنی لگنے لگتی ہے۔

☆☆☆☆☆

اس نے ہمدردی میں آکر کہہ تو دیا تھا طلال سے مگر اب حقیقتاً پریشان تھی کہ گھر کیسے بتائے۔

گھر میں اماں ابا انتظار کر رہے ہوں گے۔۔اف اللہ!

"السلام علیکم اماں" دوسری جانب سے فون اٹھاتے ہی اس نے سلام پیش کیا تھا۔

"وعلیکم سلام۔ کہاں رہ گئی ہبہ؟ ابھی تک آئی نہیں؟" فوزیہ نے چھوٹتے ہی پہلا سوال کیا تھا۔ ہبہ لب کاٹنے لگی۔ وہ آج سے پہلے کبھی ماں باپ کے بغیر نہیں رہی تھی۔ جاب کے یہ دس گھنٹے گزارنا بھی اس کے لئے محال ہوتا تھا اور آج صورتحال یہ تھی کہ اسے رات رکنا پڑ رہا تھا۔

وہ تو آج تک کسی رشتہ دار تک کے گھر رات نہیں رکی تھی۔

"کیا بات ہے ہبہ بول نہیں رہی؟" فوزیہ کے دوبارہ پوچھنے پر ہبہ واپس ہوش میں آئی تھی۔

"اماں وہ۔۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی۔

"کیا بات ہے بول؟ سب ٹھیک ہے نہ؟" فوزیہ کے پوچھنے پر وہ بے بسی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"اماں میں آج نہیں آسکتی، کل صبح آجاؤں گی" ہبہ کے الفاظ انہیں تشویش میں مبتلا کر گئے تھے۔

"کیوں؟ کیا ہوا ہے؟؟ کہاں ہے تو؟" فوزیہ کے اتنے سوالوں پر وہ مسکرا دی۔

"اماں سب ٹھیک ہے، میم کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔اس لئے احتیاط کے لئے مجھے رکنے کو کہا گیا ہے۔ آپ سے اجازت لینی تھی۔ مجبوری ہے۔ کیا میں رک جاؤں؟" ہبہ کے معصوم انداز پر وہ لمبا سانس بھر کر رہ گئیں تھیں۔

"نوکریوں کا یہی تو مسلہ ہے جو حکم سنا دیا جائے وہ پورا کرنا پڑتا ہے، میں تجھے کیسے روکوں بیٹا؟ ہماری تو مجبوری ہے نوکری کے لئے جو کہا جائے گا کرنا ہی پڑے گا" فوزیہ کی بات پر اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اسے حکم نہیں سنایا گیا تھا اس سے درخواست کی گئی تھی۔ وہ حکم سنانے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی اس سے التجاء کر رہا تھا اور یہ بات ہبہ کے دل میں اس کا مقام اور بڑھا گئی تھی۔

"جی اماں" وہ جو سوچ رہی تھی ماں سے کہہ نہیں پائی تھی۔

"ٹھیک ہے اپنا خیال رکھیں۔ چاروں قل آیت الکرسی پڑھ کر رکھنا، کسی سے زیادہ باتیں مت کرنا اور ہاں منہ دھیان بس اپنا کام کرنا۔" فوزیہ کی باتوں پر اسے ہنسی آگئی،

"اماں میں میم کے پاس ان کا خیال رکھنے کو رکی ہوں کونسا کہیں پکنک پر جا رہی ہوں جو آپ مجھے اس طرح کی ہدایات دے رہی ہیں" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تجھے کیا احساس ماں کی فکر کا" وہ اس سے شکوہ کرنے لگیں۔

"اماں مجھے سب احساس ہے، خیر آپ اور ابا کھانا کھالیں۔ میں بھی میم کے پاس جا رہی ہوں، اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ابا کو بھی بتا دیجیے گا۔" ہبہ نے چند الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

"تائی امی ٹھیک ہو جائیں گی نہ طلال بھائی؟" صفا متفکر سی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ باقی سب بھی لاؤنج میں ہی موجود تھے۔

"ہاں بلکل تم سب بس دعا کیا کرو ان کے لئے۔" وہ اس کے فکر کرنے پر مسکرا دیا تھا۔

ان سب نے حیران ہو کر طلال کو دیکھا تھا کہاں تو ہمیشہ اس کے چہرے پر سنجیدگی راج کرتی رہتی تھی اور آج اتنے سیریس مسلے پر اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

"تم سب یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" کمرے کے دروازے سے آنے والی نسوانی آواز نے ان سب کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی

"ماما آپ کہاں تھیں؟ کتنے فون کر چکے ہیں اب تک آپ کو ہم؟" مروہ کے پوچھنے پر ان کے چہرے پر ناگوار تاثرات آئے

"کتنی بار کہا ہے جب میں گھر سے باہر ہوا کروں تو مجھے کال مت کیا کرو پر تم لوگوں کو اثر کہاں ہوتا ہے" انعم کی تیز زبانی پر مروہ کا دل دکھا۔

"مگر ماما کبھی ایمرجنسی بھی ہو سکتی ہے" صفا نے بھی بہن کی بات سے اکتفا کرتے ہوئے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا

"ایسی بھی کیا ایمرجنسی ہو گئی تھی ہاں؟" انعم کے تیز لہجے پر عماد اور طلال کا بھی دل دکھا تھا۔ماں تھی کہ ہونے نہ ہونے کا احساس نہیں ہوتا تھا اور چچی ایسی کہ کبھی ماں بننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی الٹا جن کی سگی ماں تھیں انہیں بھی ممتا کا احساس کبھی انہوں نے ہونے نہیں دیا تھا۔

طلال ان کے لہجے کی تپش سمجھ رہا تھا مگر بولا کچھ نہیں تھا، اور بھی کئی مسائل تھے اس کی زندگی میں جو فلحال انعم اور ان کی بدتمیزیوں سے زیادہ اہم تھے۔

"خالہ، خالدہ آنٹی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی" فروہ نے بات سنبھالنے کے لئے گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"بھابھی کی طبیعت پانچ سال سے خراب ہی ہے، تم لوگ اس لئے مجھے کالز پر کالز کر رہے تھے۔ حد ہو گئی۔ اتنی وی آئی پی پارٹی میں تھی میں تم لوگوں نے سارا مزہ خراب کر دیا" انعم غصے سے بولیں، ان کے الفاظ پر وہاں موجود ان چھ لوگوں کا دل دکھا۔

"ماما آپ۔" مروہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر صفا نے اسے تھام کر ایسا کرنے سے روکا تھا۔

"میں آرام کرنے جارہی ہوں کوئی بھی میرے کمرے میں آکر تنگ مت کرے" انعم جس طرح وہاں آئی تھیں اسی طرح تن فن کرتی وہاں سے باہر جاچکی تھیں باقی بچے تھے وہ لوگ جو بس افسردگی سے انہیں جاتا دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

وہ معمول کے مطابق کافی بنانے آیا تھا۔اس کی روٹین تھی کہ وہ روز رات دس بجے کافی پیا کرتا تھا۔ مگر وہاں کیچن میں موجود ہبہ کو دیکھ کر ٹھٹھکا تھا۔ دروازے کی آواز پر اس نے بھی مڑ کر اسے دیکھا تھا

"کچھ چاہیے تھا؟" اس کے سوال پر وہ اسے دیکھنے لگا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟ آپ کو ماما کے پاس ہونا چاہیے۔" سوال کے بدلے سوال ملا تھا۔

"میں اپنے لئے کافی بنانے آئی تھی۔" ہبہ کے جواب پر وہ مزید حیران ہوا تھا۔

اسے اپنی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھتا پا کر وہ گھبرا گئی۔

"وہ رات میم کے پاس جاگنا ہے تو اس لئے پینی تھی، تاکہ مجھے نیند نہ آئے" اس نے بات کو کور کرنا چاہا۔

"ہاں کوئی مسلہ نہیں ہے۔" طلال نے گلہ کھنکھارتے ہوئے کہا۔

"وہ۔" ہبہ نے کچھ کہنا چاہا۔ طلال نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"کافی کہاں پڑی ہوتی ہے؟" ہبہ کے سوال پر اس نے آگے بڑھ کر کیبنٹ سے کافی کی شیشی پکڑائی۔

"تھینک یو" وہ کہہ کر اپنے لئے کپ نکالنے لگی پھر رکی اور اس کی جانب مڑی

"آپ کو بھی بنادوں؟" ہبہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ طلال چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

مطلب واہ بھئی۔۔اسی کی کافی اسے ہی آفر کی جارہی تھی۔لبوں پر آتی بے ساختہ مسکراہٹ روک کر وہ اسے دیکھنے لگا جو یوں پوچھتی ہوئی بہت معصوم لگ رہی تھی۔

"جی ضرور اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو۔" طلال کے اس قدر مہذب جواب پر ہبہ اسے دیکھنے لگی۔ مطلب وہ اس کا باس تھا چاہتا تو حکم صادر کر کے بھی بنوا لیتا مگر کس قدر سادہ اور منفرد تھا وہ۔ عزت کرنے والا۔ ہر ملاقات میں ہبہ کے دل میں اس کے لئے عزت مزید بڑھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں آپ کے کمرے میں بھجوا دیتی ہوں" ہبہ نے کہہ کر اپنا کام شروع کیا وہ چند لمحے اسے کافی بناتا دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے غائب ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

خاموش فضا تھی کہیں سایہ بھی نہیں تھا
اس شہر میں ہم سا کوئی تنہا بھی نہیں تھا

اونچی سی حویلی میں اترتا رہا شب بھر
کٹھیا میں میری چاند نے جھانکا بھی نہیں تھا

کس جرم میں چھینی گئیں مجھ سے میری آنکھیں
اِن میں تو کوئی خواب سجایا بھی نہیں تھا

منصف میرا مجرم کا طرف دار بنے گا
اس طرح تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا

(کوثر ثمرین)

وہ گم تھا۔ اپنے گرد و نواح سے مکمل طور پر لاتعلق، سوچوں کی دنیا میں، خالی سی نظریں چاند پر جمائے ہوئے۔

اتنا محو کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا ہبہ کب اس کے کمرے کے دروازے پر تین بار دستک دے چکی تھی۔ وہ اپنی سوچوں کے بھنور میں الجھا ہوا تھا۔ وہ اس کی جانب سے کوئی اشارہ نہ پا کر واپس جانے لگی تھی جب اس نے ایک بار پھر اس کی پیٹھ کو دیکھا تھا۔

ٹھیک اسی لمحے وہ آنکھ کا نم کنارہ صاف کرتے ہوئے پلٹا تھا۔ اس کی نظر ہبہ پر پڑی تھی جو ٹرے میں اس کی کافی لئے وہاں کھڑی تھی۔ اس لڑکی کی نگاہوں سے اس لڑکے کی سیاہ آنکھوں کی نمی چھپ نہیں سکی تھی۔

"سر۔۔ کافی" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔

طلال میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے اشارہ کر کے کافی سامنے پڑے ٹیبل پر رکھنے کا اشارہ کیا۔

ہبہ نے تائید کرتے ہوئے احتیاط سے کافی اس ٹیبل پر رکھی، پھر جانے کے لئے پلٹی، مگر پھر دوبارہ رکی۔ آنکھوں میں فکر تشویش لئے طلال کو دیکھنے لگی۔ طلال نے اب ناسمجھی سے اسے دیکھا

جیسے پوچھ رہا ہو کیا چاہیے؟

"آپ ٹھیک ہیں؟" کتنا سادہ سا سوال تھا۔ مگر جواب اتنا ہی پیچیدہ تھا۔ یا شاید جواب اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ اسے نہیں یاد تھا کسی نے کبھی اس سے اتنی فکر سے پوچھا ہو کہ کیا وہ ٹھیک ہے؟ اتنی کم عمر میں سب کی ذمہ داریاں سنبھالتا سنبھالتا تھک تو نہیں گیا؟ کہیں ذہنی تناؤ کا شکار تو نہیں ہے؟

وہ خالی خالی نگاہوں سے ہبہ کو دیکھنے لگا۔ ہبہ مزید متفکر ہوئی۔

"سر؟" اس کے دوبارہ پوچھنے پر وہ واپس ہوش کی دنیا میں لوٹا تھا۔ فکرِ معاش، ماں کی بیماری، چھوٹوں کی ذمہ داری میں وہ ہنس مکھ، شرارتی سا لڑکا کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

"یس، تھینک یو فار آسکنگ" طلال سنبھل کر بولا تھا۔ ہبہ نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا، کچھ کچھ وہ سمجھ چکی تھی، پر اگر طلال ہی کچھ شئیر کرنا نہیں چاہتا تھا وہ بھی کیا کر سکتی تھی؟ اور ظاہر ہے وہ اپنی ماں کی نرس سے کیونکر کوئی بات شئیر کرتا۔

ہبہ کو اس سے ہمدردی ہوئی۔بے تحاشہ ہمدردی۔

اس نے ٹرے اٹھائی اور جانے کے لئے مڑی،جب طلال کی آواز نے اس کے قدموں کو مزید آگے بڑھنے سے روکا تھا۔

"کبھی کبھی کتنا مشکل ہو جاتا ہے نہ ٹھیک نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو ٹھیک ظاہر کرتے رہنا،یہ پریٹینڈ کرتے رہنا کہ ہم سٹرانگ ہیں،جب کہ ہم بھی انسان ہیں،کمزور پڑ سکتے ہیں،تھک سکتے ہیں،ٹوٹ سکتے ہیں۔"وہ بے بسی سے بولا تھا۔

برسوں بعد اس سے کسی نے پوچھا تھا کہ وہ ٹھیک تھا یا نہیں؟وہ کیسا محسوس کر رہا تھا۔

نجانے کیوں وہ جواب دیے بنا رہ نہیں سکا تھا۔

طلال کی بھاری رنجیدہ سی آواز پر ہبہ میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ پلٹ کر اسے دیکھ سکتی۔

وہ خاموشی سے وہیں کھڑی رہی۔اسے یوں لگا جیسے اس کے پیر کسی نے زنجیروں میں قید کر دیے ہوں۔

"اللہ کہتا ہے وہ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر نہیں آزماتا پھر کیوں ایسی تکالیف ہمارے نصیب میں لکھتا ہے جسے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں ہوتی؟"طلال کے سوال پر ہبہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔وہ مایوسی میں شیطان کے بہکاوے میں آرہا تھا۔کچھ پل خاموشی کی نظر ہوئے۔

"برداشت کی طاقت ہم میں ہوتی ہے،تبھی تو اللہ اس تکلیف سے ہمیں آزماتا ہے"کچھ پل بعد دیے گئے ہبہ کے جواب پر وہ اس کی پیٹھ کو دیکھنے لگا۔

"ہر غم،ہر تکلیف ہمارے لئے آزمائش ہے۔وہ ہمیں سب دے کر بھی آزماتا ہے اور سب لے کر بھی آزماتا ہے۔اور صرف اسے ہی آزماتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے"ہبہ کے جواب پر وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔

"مگر یہ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی مجھ سے۔اور کسی سے محبت کا صرف یہی اظہار تو نہیں ہے نہ کہ اسے آزمائش کے ذریعے تکلیف دی جائے۔"طلال کی بات پر ہبہ نے لب بھینچے تھے۔وہ اس کی ہر بات کو سمجھ سکتی تھی۔اس کے اپنے حالات بھی تو اس سے مختلف نہیں تھے۔

"ایسا صرف آپ کو لگ رہا ہے جب کہ حقیقت کچھ اور ہے، ہو سکتا ہے آپ شیطان کے بہکاوے میں آ رہے ہوں۔ وہ یہی تو کرتا ہے، جن لمحوں میں ہمیں سب سے زیادہ اللہ پر توکل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ان لمحوں میں ہمارے دماغوں میں ایسی ایسی مایوسی اور ناامیدی کی باتیں بھر دیتا ہے کہ ہمارا ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور ہم اللہ کی رضا میں راضی رہنے کی بجائے اس سے شکوہ کر بیٹھتے ہیں" ہبہ بغیر پلٹے ہی اسے سمجھا رہی تھی۔

"تو پھر میں ایسا کیا کروں کہ یہ تکلیف کم ہو سکے؟ اسے برداشت کرنے کی طاقت مل سکے؟" طلال کے جوابی سوال پر ہبہ کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

"جو آپ کو اس تکلیف کے ذریعے آزما رہا ہے اسی سے رجوع کریں، ہر پریشانی کا حل، ہر تکلیف کا آرام، اور ہر بے سکونی کا علاج مل جائے گا"

ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ، زندگی کے نشیب و فراز میں وہ اس قدر الجھ گیا تھا کہ رب سے جڑنے کی بجائے اس سے مزید سے مزید دور ہوتا چلا گیا تھا۔ کبھی ماں کی فکر، کبھی چھوٹوں کی ذمہ داری تو کبھی کاروباری معاملات۔ اس کے پاس ہر چیز کے لئے وقت تھا سوائے اپنے اللہ کے جس کے ایک کن میں اس کی تمام مشکلات حل ہو سکتی تھیں۔ یا پھر اس نے خود کو اس قدر مصروف کر لیا تھا کہ اس کے پاس عبادت کا وقت ہی نہیں بچا تھا۔

اسے کبھی اس بات کا احساس کیوں نہیں ہوا تھا؟

کیا وہ اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اس کے پاس اپنے اللہ کے لئے ہی وقت نہیں بچا تھا؟

"میں کتنی بڑی غلطی کر چکا ہوں۔ اپنے اللہ کو بھول گیا؟ اور اس قدر مایوس ہو گیا کہ عبادت کرنا، نماز پڑھنا تک چھوڑ دیا؟ مجھے تو یہ تک یاد نہیں میں نے آخری نماز کونسی اور کب پڑھی تھی؟" طلال کے لہجے میں شرمندگی صاف ظاہر تھی۔

"یہی تو غلطی کرتے ہیں ہم، غم کی حالت میں جتنا اللہ یاد آتا ہے اتنا ہی اس غم کی نجات کے موقع پر اس اللہ کو بھول جاتے ہیں، یا پھر غم کی مدت اگر زیادہ طویل ہو جائے تو بھی مایوس ہو کر اللہ کو پکارنا چھوڑ دیتے ہیں۔ شاید یہ انسانی فطرت ہے" ہبہ کی بات پر وہ سر اس سے اتفاق کرتے ہوئے سر ہلانے لگا۔

"پتا نہیں اللہ اب مجھے معاف کرے گا یا نہیں" طلال کی بات پر وہ پھر سے بے چین ہوئی تھی۔

"آپ مایوس بہت ہوتے ہیں جب کہ قرآن میں اللہ صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہو، میری رحمت میرے غضب پر بھاری ہے، وہ تو ارحم راحمین ہے اس سے رحمت کی توقع کریں۔ اس سے مایوس مت ہوں" ہبہ نے بغیر مڑے جواب دیا تھا۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں نا؟" طلال نے بچوں کی طرح بھرپور معصوم انداز میں پوچھا تھا۔

اس کے انداز پر وہ نم آنکھوں، مسکراتے لبوں سے پیچھے مڑی۔

"بلکل سچ" ہبہ نے مسکرا کر سر زور زور سے اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کی یقین دہانی کروائی تھی۔

طلال نے اس کو چہرے کو دیکھا، بھوری آنکھیں بھیگ رہی تھیں، گلابی عنابی ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

زندگی میں پہلی بار اسے کسی کی مسکراہٹ اتنی اچھی لگی تھی۔ وہ کب کی جا چکی تھی، مگر طلال شاید اب بھی اس کے سحر میں جکڑا ہوا تھا، اس کی باتوں کی امید، اس کی موجودگی کی خوشبو اور اس کے ہونے کا احساس اس کے دل میں سکون بھر گیا تھا۔ ایسا سکون جو اس نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

تھوڑی دیر ادھر بیٹھے رہنے کے بعد وہ بھی اٹھا، برسوں بعد آج پھر سے وضو کرنے باتھروم گھس گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

عشاء کی نماز پڑھ کر اس نے دو رکعت نمازِ حاجت پڑھی تھی اور پھر جائے نماز پر بیٹھ گیا تھا۔

جانے کتنی دیر گزر گئی تھی یونہی بیٹھے بیٹھے۔

وہ دعا مانگنا چاہتا تھا پر ہمت جمع نہیں کر پا رہا تھا۔

دماغ میں آنے والی ڈھیر سوچوں کو ایک طرف کر کے اس نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کی صورت اٹھائے تھے۔

اب اتنی کوشش کرنے کے بعد دعا میں مانگنے کے لئے اس کے پاس الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

اسے نہیں معلوم تھا وہ کیا کہے، کیا مانگے؟

مانگنے کو تھا بہت کچھ پر وہ کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، دعا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر کچھ کہہ نہیں پاتے، کچھ مانگ نہیں پاتے۔ وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ہمارے پاس کہنے کو یا مانگنے کے لئے کچھ نہیں ہوتا بلکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہم اتنے ایموشنلی نمب (جذباتی طور پر بے حس ہو جانا، کچھ محسوس نہ کر پانا) ہو جاتے ہیں کہ ہمیں سمجھ نہیں آتا کیا کہیں، ایسی صورتحال میں وضو کی ہمت کر لینا، جائے نماز پر بیٹھ جانا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا بھی بہت ہوتا ہے۔ کیونکہ جس کے دربار پر آپ حاضری دینے بیٹھے ہیں، وہ آپ کے دل کا حال جاننے کے لئے الفاظ کا محتاج نہیں ہے۔

وہ آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وہ بغیر کچھ کہے بھی آپ کے دل کا حال جانتا ہے۔

کبھی کبھی اس سے رجوع کر لینا ہی بہت ہوتا ہے یہ بتانے کے لئے کہ یا اللہ اس حالت میں جو بیان سے باہر ہے، اس میں بھی میں آپ پر ہی منحصر ہوں، زندگی کے ہر معاملے میں آپ کا محتاج ہوں۔

میری مدد کریں، میری راہنمائی کریں اور میرے معاملات میں آسانیاں فرما دیں۔

اور بس وہ "کن" فرماتا ہے اور "فیکن—ہو جاتا ہے"۔

جیسے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ

"اللہ کا حکم یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔"

سورہ یٰسین(36:82)

بس ایسی حالت میں اسی سے رجوع کریں، اسی کے سامنے اپنے دل کا حال بیان کریں۔
یقین کریں وہ پاک ذات آپ کی زندگی میں آنے والی ہر اندھیری مشکل کو صبح کے روشن سویرے میں تبدیل کر دے گی۔
اسے ایسے ہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کافی دیر گزر گئی تھی۔
کچھ نہ سمجھ آنے کے بعد اس نے ہاتھ یونہی چہرے پر پھیر لیے۔
اس کے دل میں جو بھی چل رہا تھا اس کا رب ہر اس شے سے واقف تھا۔
پھر اپنا سر سجدے میں گرا دیا تھا۔ اور یہی وہ لمحہ تھا جب اسے ایسا سکون ملا تھا جس کے لئے وہ برسوں سے تڑپ اور ترس رہا تھا۔ اور بیشک اس رحمٰن کے ہاں ہر مرض کا علاج ہے، ہر درد کی دوا ہے اور ہر بے چینی کا سکون ہے۔

☆☆☆☆☆

بڑا دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو
بیان بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے

کسے کتنا بتانا ہے

کس سے کتنا چھپانا ہے

کہاں رو رو کے ہنسنا ہے

کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے

کہاں آواز دینی ہے

کہاں خاموش رہنا ہے

کہاں رستہ بدلتا ہے

کہاں سے لوٹ جانا ہے

بڑا دشوار ہوتا ہے۔

(جگنو)

وہ ابھی بھی جائے نماز پر بیٹھی تھی۔ آنکھیں رو رو کر سرخ ہو چکی تھیں، جانے کیوں طلال کی باتیں سن کر اس کا بھی دل بھر آیا تھا۔ آج اپنے بھی سارے غم اور تکالیف زیادہ محسوس ہو رہی تھیں۔

ضروری تو نہیں جو انسان باہر سے خوش دکھائی دیتا ہو وہ اندر سے بھی اتنا ہی خوش ہو؟

اسے آج بھی یاد تھا کیسے اسے فوزیہ اور طاہر نے بچپن سے لے کر جوانی میں قدم رکھنے تک نازوں میں پالا تھا۔

وہ کوئی گولڈن یا سلور سپون لے کر پیدا نہیں ہوئی تھی مگر اس کے ماں باپ نے پھر بھی اسے شہزادیوں کی طرح پالا تھا۔ ہر ماں باپ یہی تو کرتے ہیں۔ کبھی اسے محسوس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ کسی مڈل کلاس گھرانے میں پیدا ہوئی ہے۔

اس کی ہر خواہش پوری کی گئی۔اس کی ہر آرزو کا خیال کیا گیا۔

لیکن پھر ایک دن۔۔

اسے آج بھی یاد تھا

جب وہ اپنے بی ایس نرسنگ کا آخری پیپر دے کر گھر لوٹی تھی۔وہ بہت خوش تھی۔

ماں کے ہاتھ سے سب من پسند کھانے بنوائے تھے۔شام ہونے کو آئی تھی اور ابھی تک طاہر نہیں آئے تھے۔وہ ان سے ملنے کو بے تاب انہیں فون کرنے کے لئے اٹھی۔ مگر اس سے پہلے وہ فون کرتی۔۔ایک انجان نمبر سے فوزیہ کا فون جگمگانے لگا۔فوزیہ کے مصروف ہونے کے باعث اس نے خود ہی فون اٹھالیا

مگر دوسری جانب سے آنے والی آواز کوئی عام آواز نہیں تھی ایک پگلا ہوا سیسہ تھا جو ہبہ کے کانوں میں گرم گرم ابلتا ہوا انڈیلا گیا تھا۔

وہ جس حالت میں تھی اسی حالت میں فوزیہ کے ہمراہ ہسپتال پہنچی تھی۔سامنے طاہر کو پٹیوں اور دیگر طرح کے مشینوں میں جکڑا دیکھ کر اس کی تو دنیا ہی الٹ گئی تھی۔ کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنے باپ کو ایسے بھی حال میں دیکھے گی۔

اور صرف یہ منظر دیکھنا کم نہیں تھا۔

سب سے زیادہ اذیت بھرا لمحہ وہ تھا جب ڈاکٹر نے انہیں طاہر کے معذور ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ بے آواز روتی رہی تھی۔کتنے آنسو تھے جو اس نے چپ کیے بہا دیے تھے۔

طاہر کو ہوش آجانے کے بعد وہ دونوں ان کے پاس رکھے سٹول پر بیٹھی تھیں۔

اپنے باپ کو اس قدر تکلیف میں دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میری جان۔۔۔مجھے اتنی تکلیف۔۔اس معذوری۔۔کی نہیں۔۔ہو رہی۔۔۔جتنی۔۔تیری۔۔آنکھوں میں۔۔ آنسو دیکھ کر ہو رہی ہے۔۔ہبہ میرے بچے۔۔۔رونا نہیں ہے۔۔۔تیرے چہرے پر آنسو نہیں اچھے لگتے۔۔۔۔تو تو میرا بہادر بچہ ہے۔۔"

شدید تکلیف کے باوجود وہ اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بھر کر بڑی محبت سے بولے تھے۔

یہ ایک لمحہ سب کچھ بدل چکا تھا۔

یہ وہ لمحہ تھا جب اس نے فیصلہ لیا تھا۔

وہ آئیندہ طاہر یا فوزیہ کے سامنے آنسو نہیں بہائے گی۔

وہ اپنے ماں باپ کے سامنے کبھی کمزور نہیں پڑے گی۔

جتنی بھی تکلیف ہو گی خود سہہ لے گی ان کے لئے ان کے سکون کے لئے ان کی بیٹی خوش رہے گی۔

مضبوط تھی تو نہیں مگر ظاہر کر سکتی تھی۔

اور اس نے یہی کرنا شروع کر دیا تھا۔

اسے نہیں یاد تھا کب وہ دوبارہ ان کے سامنے روئی تھی۔

آج طلال کے دکھ پر اسے اپنا دکھ دوبارہ سے یاد آیا تھا۔

وہ شدت سے روئی تھی۔

لوگ کہتے ہیں۔۔ماں باپ کو جوان اولاد کی تکلیف نہ پہنچے۔۔

پر انہیں کیا معلوم جوان اولاد کے سامنے جب ان کے والدین بیمار، معذور اور کمزور ہو جائیں تو ان کی تکلیف کیا ہوتی ہے؟

کس انتہا کی بے بسی ہوتی ہے جس کا انہیں سامنہ کرنا پڑتا ہے۔

وہ تکلیف جس کا برملہ اظہار وہ ان کے سامنے بھی نہیں کر پاتے کیونکہ یہ وہی والدین ہوتے ہیں جو اپنی تکلیف کو فراموش کیے اولاد کو پریشان دیکھ کر مزید تکلیف میں ہوتے ہیں۔

جب دل کا غبار نکل گیا تو اس کے ہاتھ خود بخود دعا کے لیے اٹھے تھے۔

"یا اللہ سب کے والدین کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی دیں آمین۔ یا اللہ طلال کی اماں اور میرے ابا کو صحت دیں اللہ۔۔ ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھ میرے مالک"

روتی سسکتی وہ کب جائے نماز پر ہی سو گئی اسے معلوم بھی نہیں ہوا تھا۔ رات کا جانے کونسا پہر تھا جب وہ خالدہ کے کھانسنے پر اٹھی تھی۔ انہیں پانی پلا کر خود بھی جائے نماز سمیٹ کر سیدھی ہو کر لیٹی تھی۔

تھکاوٹ سے جسم چور ہو رہا تھا۔۔ بستر پر لیٹتے ہی نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

روز صبح فجر پڑھ کر جاگنگ کے لئے جانا اس کی روٹین تھی۔ ابھی بھی وہ ہالف بازو کی نیوی بلو شرٹ اور گرے چیک والا ٹراؤزر پہنے جاگنگ سے واپس لوٹا تھا۔ ہالف بازو کے باعث اس کے کسرتی بازو واضح ہو رہے تھے۔ چہرا پسینے سے بھرا سرخ ہو رہا تھا۔ وہ کیچن میں پانی لینے کے لئے جا رہا تھا جب ایک۔۔

خوصورت دلسوز نسوانی آواز نے اس کا دھیان اپنی جانب مبذول کیا تھا۔

وہ جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا تھا۔ ایک کشش سی تھی اس آواز میں جو اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس آواز کی جانب گیا تھا۔ آواز خالدہ کے کمرے سے آ رہی تھی۔

اس کی قسمت اچھی تھی کے دروازہ پہلے سے ہلکا سا کھلا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر چپ چاپ اندر کی جانب جھانکا۔

خالدہ اپنے بیڈ پر آرام کر رہی تھیں، ان کے سرہانے ہبہ بیٹھ کر سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کر رہی تھی۔ خالدہ کا چہرہ بھرپور سکون اور طمانیت سے چمک رہا تھا۔ ایسا سکون ایک عرصے بعد اس نے اپنی ماں کے چہرے پر دیکھا تھا۔ ان کا چہرہ دیکھ کر اس کا اپنا دل سکون سے بھر گیا تھا۔ وہ دروازے کی نوب پر کہنی ٹکائے اسے دیکھنے لگا۔ جانے کتنی دیر وہ وہیں اسی حالت میں کھڑا رہا۔

بے دھیانی میں اس سے دروازہ تھوڑا مزید دھکیلا گیا۔ دروازے کی چڑ کی آواز پر وہ دونوں مڑے تھے۔ آنے والے کو دیکھا تھا۔ جہاں خالدہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں بدلا تھا وہیں ہبہ اس کی یہاں موجودگی پر بے چین ہوئی تھی۔

اب وہ خاموشی سے چلتا ہوا وہاں خالدہ کے پاس ہی آ کر بیٹھ گیا تھا۔

اس کی نظر اس پر پڑی۔

چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا۔ آدھی آستین کی ٹی شرٹ میں اس کے مسلز واضح ہو رہے تھے۔ وہ شاید ابھی جاگنگ کر کے لوٹا تھا۔ اسے دیکھ کر ہبہ نے قرآن پاک حفاظت سے رکھ دیا تھا۔ اور خالدہ کے پاس اس کی جگہ چھوڑ کے وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

دوپٹہ ابھی بھی حجاب کی صورت سر پر لپیٹا ہوا تھا۔

دوسری جانب سے طلال کا سحر بھی ٹوٹ چکا تھا وہ اب آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اپنی ماں کے قریب آ بیٹھا تھا۔

اس نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ چہرہ نور سے چمک رہا تھا۔

چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔

وہ سکون جو خدا کا کلام سن کر یا پڑھ کر دل میں اترتا ہے۔

"اب کیسی ہے آپ کی طبیعت؟" اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

ہبہ دونوں ماں بیٹے کو ہم کلام دیکھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس کے سوال پر انہوں نے بس خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔

"ماما اب آپ ٹھیک ہیں نا؟" طلال کے فکر مندی سے پوچھنے پر ان کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

ان کے مسکرانے پر طلال کو بھی کچھ اطمینان ہوا۔

وہ ان کا ہاتھ تھام کے بیٹھ گیا، بالکل ویسے جیسے وہ بچپن میں کیا کرتا تھا۔ ان کا ہاتھ تھام کر ڈھیروں باتیں کیا کرتا تھا۔ کبھی ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیرتا کبھی انہیں چومتا، وہ آج بھی ویسے ہی انہیں اپنی روٹین، اپنے کلائنٹس، اپنے بزنس کے بارے میں بتا رہا تھا جیسے ان کے ٹھیک ہوتے یونیورسٹی کے قصے سنایا کرتا تھا۔

اور وہ سن رہی تھیں۔

جانے کتنے عرصے کے بعد وہ ماں بیٹا یوں بیٹھے تسلی سے بات کر رہے تھے۔
ایسی گفتگو جس میں ایک فریق بول رہا تھا اور دوسرا بس سن رہا تھا پھر بھی یہ گفتگو سب سے زیادہ سکون دہ تھی۔
"میم آپ کا ناشتہ" وہ یونہی مسلسل بولے جا رہا تھا جب ایک مانوس نسوانی آواز نے اس کی بات کاٹی۔
اس نے مڑ کر دیکھا۔ ہبہ فوڈ ٹرالی گھسیٹے کمرے کے اندر لے آئی تھی۔
کتنا معصوم لگ رہا تھا وہ۔ ماں کے پاس بیٹھا کوئی چھوٹا سا بچہ۔۔ جو سکول سے آنے کے بعد ماں کو آکر اپنی دن بھر کی روداد سناتا ہے۔۔ وہ دروازے کے باہر کھڑی دو منٹ چپ چاپ اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔
اتفاق کی بات یہ تھی کہ وہ بھی اپنی ماں کا ہاتھ ٹھیک ویسے عقیدت سے چوم رہا تھا جیسے وہ طاہر کا چوما کرتی تھی۔
طلال کو نظر انداز کیے وہ خالدہ کا ناشتہ لگانے لگی تھی۔ طلال بھی ایک نگاہ اس پر ڈال کر دوبارہ سے خالدہ کے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھیلنے لگا تھا۔۔ اس کی نظر اب ساتھ رکھے میز پر سجائے گئے ناشتے پر پڑی تھی۔
ناشتہ صرف خالدہ کا تو نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ خالدہ صبح کے وقت ہلکا پھلکا ہی کچھ لیتی تھیں مگر ساتھ پراٹھا آملیٹ دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔
اسے آج بھی اس کے ہاتھ کا وہ ذائقہ یاد تھا وہ ذائقہ جس کے بعد دنیا کا ہر کھانا اسے بدمزہ لگنے لگا تھا۔
"نہیں انہوں نے اپنے لئے بنایا ہو گا" طلال نے خود ہی اپنی خوش فہمی پر سرزنش کی۔
"سر۔۔ یہ آپ کے لئے" اس کی بات پر وہ ساکت ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کا شاک میں ڈوبا چہرے دیکھے بغیر اب وہ بیڈ کے پاس ہی میز پر ناشتہ لگا رہی تھی۔
"میرا؟" حیرت کے مارے طلال کے لبوں سے پھسلا۔ کیا دل میں آنے والی خواہشیں یوں بھی پوری ہوتی ہیں؟
بغیر کچھ بولے، بغیر کسی اظہار کے۔
ہبہ نے بس ایک مصروف نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے فوراً نگاہیں پھیری تھیں۔
"جزاک اللہ" اس نے اسے کہہ کر ٹرے اپنی جانب کھسکائی۔

دل ہی دل میں بہت خوش ہوا تھا۔ اندر کہیں بہت کونے میں چھپی ہوئی اس کے ہاتھ کا بنا کھانے کی تمنا بن کہے، بن مانگے پوری ہوئی تھی۔

ان دونوں کو ناشتہ سرو کر کے وہ خود وہاں پاس ہی رکھے صوفوں پر بیٹھ گئی تھی۔

جب وہ دونوں فارغ ہو چکے تو ہبہ نے طلال کو مخاتب کیا۔

"سر۔۔وہ" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد ہبہ کی جانب سے گفتگو کی شروعات ہوئی تھی۔ خالدہ اب آرام کرنے کی غرض سے لیٹ چکی تھیں۔

"جی کہیں؟" وہ جوس کا آخری گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے بولا

"میم کی طبیعت اب الحمدللہ بہت بہتر ہے۔۔میں اب۔۔" وہ کہتے ہوئے ہچکچائی۔

طلال نے بغور اسے دیکھا۔

"جی ہاں۔۔میں آفس کے لئے پندرہ منٹ تک نکلوں گا آپ ریڈی رہیے گا آپ کو چھوڑ دوں گا" طلال کی بات پر اس کا منہ کھل گیا۔ کیا اس کا باس اب خود اسے اس کے گھر تک ڈراپ کرے گا؟

"نہیں میں نے بس اجازت لینی تھی۔ چلی میں خود جاؤں گی۔" وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

"نہیں کوئی مسلہ نہیں ہے میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا" طلال نے حتمی مگر نرم انداز میں بات پوری کر کے وہاں سے جانے کے لئے قدم بڑھائے تھے۔ ہبہ وہاں سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

ہبہ کے گھر جانا مناسب تھا یا نہیں لیکن وہاں جانے کا مقصد کیا تھا وہ صرف طلال جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆

دھوپ کی روشن، آنکھوں کو چندھیا دینے والی کرنیں گاڑی کے شیشے سے پار ہو کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اس کے گھر سے ہبہ کے گھر تک کا فاصلہ آدھے گھنٹے کا تھا جس میں سے پانچ منٹ خاموشی سے گزر گئے تھے۔

اس نے بیک ویو مرر سے ہبہ پر نظر ڈالی تھی جو کھڑکی کے شیشے پر انگلی سے ڈیزائن بنا رہی تھی۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت تھی۔۔ بالوں کی ایک دو آوارہ لٹیں اس کے رخسار پر بکھری ہوئی تھیں۔ چہرہ ہمیشہ کی طرح گلابی تھا اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان راج کر رہی تھی۔

"مس نایاب؟" طلال کے بلانے پر وہ اسے دیکھنے لگی۔

"جی؟" اس نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"کیا میں چند منٹوں کے لئے آپ کے گھر آ سکتا ہوں؟" اس کے یوں پوچھنے پر ہبہ اسے دیکھنے لگی۔

اس کا وہ چھوٹا سا کرایے کا گھر اس کے شایانِ شان تو نہیں تھا پھر کیسے اسے آنے دیتی؟

"کیوں؟" اس کے لبوں سے پھسلا۔

"میرا مطلب ہے خیریت؟"

"کیونکہ میں آپ کے پیرنٹس سے خود مل کر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جیسے انہوں نے کل آپ کو ایمرجنسی میں میرے گھر رکنے دیا۔ میں جانتا ہوں ماں باپ اپنے بچوں خصوصاً بیٹیوں کے لیے کتنے پروٹیکٹو ہوتے ہیں۔ میں اس کے لئے ان کا احسان مند ہوں۔" طلال کی بات پر اس نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"جی شیور مگر۔۔ اس کی ضرورت نہیں ہے" ہبہ نے اسے تو کہہ دیا تھا مگر اب دل میں بے چینی ہونے لگی تھی۔

طرح طرح کے وسوسے تھے جو اسے ستانے لگے تھے۔۔

"اس کی ضرورت تو ہے لیکن آپ مجھے اپنے گھر نہیں آنے دینا چاہتی تو کوئی بات نہیں میں سمجھتا ہوں"

طلال نے لبوں پر آ جانے والی بے ساختہ مسکراہٹ روک کر اسے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جو اس کی توقع کے عین مطابق اس کی بات پر لب کاٹنے لگی تھی۔

جب بھی وہ پریشانی میں ہوتی تھی یونہی لب کاٹنے لگتی تھی۔ اور یہ بات طلال اب سمجھنے لگا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے" وہ معصومیت سے بولی۔

"آر یو شیور؟" طلال کو اسے تنگ کرنے میں مزہ آرہا تھا۔

"جی ہاں۔۔" ہبہ نے اسے دیکھا تھا۔اس کی نگاہیں اسی کے گلابی چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔وہ اس کی سیاہ سنجیدہ آنکھوں سے تاب نہیں ملا سکی اور اس نے اپنی نظریں کھڑکی پر مرکوز کر دیں۔طلال اس کی یہ حرکت دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔مگر اب کی بار اس نے اپنی یہ مسکان چھپانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

☆☆☆☆☆

"اماں" اس نے اندر آتے ہی اماں کو آواز لگائی تھی۔

صبح 9 بجے کا وقت تھا۔عموماً تو اس ٹائم وہ لوگ جاگ ہی رہے ہوتے تھے۔

ان کی جانب سے کوئی آواز نہ پا کر وہ تذبذب کا شکار ہوئی تھی۔

ایک نظر اپنے پیچھے کھڑے طلال بخاری کو دیکھا تھا۔جس کی شان کے آگے اسے اپنا گھر بہت کم تر سا لگنے لگا تھا۔۔

"اماں کہاں ہیں آپ؟" اس نے ایک بار پھر آواز لگائی۔

"ہبہ۔۔۔بیٹا تیرے ابا۔۔" فوزیہ کی چیختی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔۔۔تو اس سے کچھ دیکھا سمجھا نہیں گیا۔

بھاگ کر طاہر اور فوزیہ کے کمرے میں گئی۔۔اس ہر براہٹ میں طلال بھی ہبہ کے پیچھے گیا۔

کمرے میں فوزیہ نیچے گرے ہوئے طاہر کو اٹھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔۔ہبہ بھی بھاگ کر ان کے قدموں میں گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی۔

ZOHA ASIF

"ابا!" وہ چیخی۔۔

ایک پل میں سب کچھ کیسے الٹ پلٹ ہو کر رہ گیا تھا۔

"ابا اٹھیں۔۔کیا ہوا ہے آپ کو؟" وہ انہیں زور سے ہلا کر کہنے لگی۔

"ہبہ آپ ہٹیں۔۔انہیں فوراً ہسپتال لے کر جانا ہو گا" طلال کی آواز پر فوزیہ نے بھی اپنی روتی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"پر۔۔پر۔۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی جسے طلال کی تنبیہی نگاہوں نے خاموش کروادیا تھا۔

"انہیں اٹھانے میں میری مدد کریں" طلال کی آواز پر وہ بس شاک کے عالم میں وہاں کھڑی ہوئی تھی، دماغ سن ہو رہا تھا۔

"ہبہ؟" اس نے ایک بار پھر پکارا۔۔وہ ہوش میں آئی، جو طلال کہتا گیا گوں مگوں کی کیفیت میں وہ کرتی گئی۔

اسے نہیں پتہ کب وہ اور فوزیہ طلال کے ساتھ ہسپتال آئے تھے۔کب طاہر کو آئی سی یو میں شفٹ کیا گیا تھا۔اور کب سے ان کو زیرِ غور رکھا ہوا تھا۔وہ تو بس وہاں ویٹنگ ایریہ کے ایک بینچ کے کونے پر ٹکی ہوئی تھی۔

نہ کسی سے بات کر رہی تھی نہ کوئی حرکت کر رہی تھی۔بس جوں کی توں وہاں ٹکی بیٹھی تھی۔

یونہی بیٹھے بیٹھے جانے کتنے گھنٹے گزر گئے تھے۔ڈاکٹر سے ملنا، سب طے کرنا، ریسیپشن کی پرچی، فوزیہ کو دیکھنا سب کچھ طلال کر رہا تھا۔اسے کسی چیز کا کوئی پتہ نہیں تھا، جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ اٹھ کر طلال کو یہ سب کرنے سے روک دیتی یا پھر اسے جانے کا کہہ دیتی۔۔وہ بس گم سم سی وہاں اس ایمرجنسی روم کے سامنے بنے ویٹنگ چیئرز میں سے ایک میں بیٹھی تھی۔۔

اس کے ابا ایمرجنسی میں تھے بس ایک یہ بات تھی جو اسے معلوم تھی۔

وہ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ قریب اپنے ابا کے تھی۔

ان کی لاڈلی اکلوتی بیٹی۔۔اگر انہیں کچھ ہو گیا تو وہ کیا کرے گی؟

بس ایک اسی سوال پر اس کی سانس رکنے لگتی تھی۔

وہاں کئی گھنٹے بیٹھے رہنے کے بعد اب اس کا سانس گھٹنے لگا تھا۔

اس نے بے ساختہ اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔دل کی دھڑکن حد سے تیز چل رہی تھی۔ہسپتال کے گہما گہمی کے ماحول میں بھی اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ اپنے تیز تیز دھڑکتے دل کی دھڑکن با آسانی سن سکتی تھی۔

فروری کا وسط چل رہا تھا لیکن اس کے ہاتھوں اور چہرے پر پسینہ آنے لگا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ آپس میں زور زور سے رگڑنا شروع کیے۔ دل کا زور ایسا تھا کہ سینے میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ ایک نا قابلِ بیان درد تھا جو اسے اپنے حصار میں لے رہا تھا۔ بیان سے باہر حالت لیے وہ وہاں سے اٹھی۔۔

اسے پینک اٹیک آ رہا تھا۔ اسے کیسے بھی کر کے خود پر قابو پانا تھا ورنہ فوزیہ کا کیا ہوتا؟

وہ وہاں سے اٹھ کر باہر ہسپتال کے لاؤنج میں آ گئی تھی۔ وہاں کونے کی ایک کرسی پر بیٹھ کر اس نے آہستہ سے قریباً چار سیکنڈ تک سانس اپنے اندر کھینچا تھا۔۔

پھر اس سے ڈبل آہستگی سے کوئی چھ سیکنڈ تک سانس خارج کیا تھا۔

یہ سانس لینے کی ایک ورزش تھی جو پینک اٹیک کے ٹائم کی جاتی تھی۔

ایک ہاتھ ہلکے سے منہ پر رکھے، دوسرا سینے پر دھرے وہ یونہی سانس لیتی گئی۔

ایک کے بعد ایک۔۔ وہ ورزش دہراتی رہی جب تک اس کا سانس لینے کا نظام اور دل کی دھڑکن معمول پر نہیں آ گئی۔

ایک ہیلتھ پروفیشنل ہونے کے باعث اسے ایمرجنسی حالت کو ڈیل کرنا آتا تھا۔

اپنی حالت پر تھوڑا قابو پا کر اس نے

۵-۴-۳-۲-۱ طریقے سے گراؤنڈنگ ٹیکنیک سٹارٹ کی۔

اپنے اردگرد کی پانچ چیزیں دیکھنا شروع کیں۔

صوفے، کرسیاں، میز، پوسٹرز، فلور کارنگ۔

پھر چار چیزیں محسوس کرنے کی کوشش کی۔ اپنے کپڑے، صوفے کا کپڑا، موبائل کا کور، اور اپنا ہینڈ بیگ۔

اب وہ تین چیزیں سننے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ لوگوں کی باتیں، مختلف قسم کی مشینوں کی بپ بپ کی آوازیں اور سینے پر ہاتھ دھرے اپنے دل کی دھڑکن جو اب واضح سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن پھر بھی اس کا احساس موجود تھا۔

چند لمحے بعد وہ اپنے ہاتھ کو ناک کے قریب لے جا کر سونگھ رہی تھی۔ پھر لاؤنج میں پھیلی فرنائل کی خوشبو بھی زور سے سانس لے کر اپنے اندر اتار رہی تھی۔

اس عمل کا آخری حصہ کوئی شے منہ کے اندر رکھ کے محسوس کرنا تھا۔ جبھی اس کی آنکھوں کے سامنے آنے والے دھویں اور کافی کے کپ نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی۔

جاری ہے۔

ZOHA ASIF